اردو خطوط نگاری کے ارتقا میں ماہ نامہ ''سب رس'' کا کردار

اردو ادب کے فروغ میں ادبی رسائل کا کردار مسلّمہ ہے۔ ان رسائل نے جہاں دیگر نثری و شعری اصناف کی پیش کش میں اہم کردار ادا کیا ہے وہیں خطوط کی اشاعت کے باب میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ خطوط کی اشاعت کا معاملہ دیگر ادبی اصناف کے مقابلے میں خاصا مختلف ہے۔ کسی ایک شخصیت کے مکتوبات مختلف لوگوں کے نام، علاحدہ علاحدہ ضرورتوں، حالات اور واقعات کے تحت ہوتے ہیں۔ یہ مکتوبات زندگی کے مختلف ادوار میں لکھے گئے ہوتے ہیں اور اندرونِ اور بیرون ملک مختلف شہروں میں بسنے والوں کے نام لکھے گئے ان خطوط کی جمع آوری اور اشاعت انتہائی دشوار کام ہے۔ ادبی رسائل ان خطوط کی جمع آوری اور اشاعت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جیسے جیسے خطوط دستیاب ہوتے جاتے ہیں۔ ادبی رسائل وقتاً فوقتاً انھیں شائع کرتے رہتے ہیں۔ خطوط کی یہ قسط وار اشاعت دیگر لوگوں کو بھی اس جانب متوجہ کرتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ مشاہیر کے منتشر خطوط رسائل کے صفحات پر شائع ہونے کے ساتھ ساتھ محفوظ بھی ہوجاتے ہیں۔ ادبی رسائل اپنی ہیئت اور نوعیت کے باعث اندرونِ اور بیرون ملک ایک وسیع حلقہ قارئین رکھتے ہیں۔

فی الوقت کراچی سے شائع ہونے والے ماہ نامہ ''سب رس'' کا جائزہ لینا مقصود ہے۔ اردو کے معروف محقق محی الدین قادری زور نے جنوری ۱۹۳۸ء میں ادارۂ ادبیاتِ اردو، حیدرآباد دکن سے ماہ نامہ ''سب رس'' جاری کیا۔ خواجہ حمید الدین شاہد اس کی مجلسِ ادارت کے رکن تھے۔ اجون ۱۹۵۹ء میں خواجہ حمید الدین شاہد پاکستان تشریف لائے۔ ۲ کراچی میں انھوں نے ''ایوانِ اردو'' قائم کیا۔ شاہد صاحب نے ''سب رس'' کا پہلا شمارہ کراچی سے دسمبر ۱۹۷۷ء میں اقبال نمبر کی صورت شائع کیا۔ ۲۲/اکتوبر ۲۰۰۱ء کو خواجہ حمید الدین شاہد اس دنیاے فانی سے رخصت ہوئے اور اپریل تا جون ۲۰۰۲ء ''سب رس'' کا آخری شمارہ ڈاکٹر خرم فیاض اور محمود عزیز صاحب کی ادارت میں شائع ہوا۔ ''سب رس'' نے تقریباً ۲۵ سال پر محیط اشاعتی عرصے میں جہاں پاکستان اور ہندوستان بالخصوص حیدرآباد دکن کے ادیبوں، شاعروں، نقادوں کی ادبی، علمی اور تخلیقی نگارشات کو پیش کیا وہیں مشاہیر کے خطوط کو باہتمام شائع کیا۔

خواجہ حمید الدین شاہد نے ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے خطوط کو ''ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ، خطوط کے آئینے میں'' کے عنوان کے تحت قسط وار شائع کیا۔ اس سلسلے کی پہلی قسط جنوری ۱۹۷۹ء کے شمارے میں شائع کی گئی جس میں ۱۴ خطوط خواجہ حمید الدین شاہد کے نام تھے اور دیگر خطوط میں ۴ خط بنام معین الدین انصاری، ۳ خط بنام عبدالرحمٰن چغتائی، ایک خط بنام ممتاز حسن، ۲ خط بنام پروفیسر مبازر الدین رفعت، ۶ خط بنام ڈاکٹر خلیق انجم، ۶ خط بنام رانا بھگوان داس، ۴ خط بنام گوپی چند نارنگ ہیں۔ ڈاکٹر محی الدین قادری کے ان خطوط کی تحریر کا زمانہ ۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۲ء کا ہے جب کہ وہ سری نگر میں مقیم تھے۔

زورؔ کے یہ خطوط ان کی علمی، ادبی اور تحقیقی سرگرمیوں کے تذکار کے علاوہ ان کے روز و شب کے احوال پر مشتمل ہیں۔ خواجہ حمید الدین شاہد اور ڈاکٹر زورؔ کے درمیان جو تعلقِ خاطر تھا، اس کا اندازہ ان خطوط سے بہ خوبی ہوتا ہے۔ دیگر اہلِ علم سے جو ان کی خط و کتابت ہوتی تھی وہ بھی بہت سے علمی و ادبی مباحث پر مبنی ہے۔

پروفیسر مبارز الدین رفعت کے نام ۱۹ر مارچ ۱۹۶۲ء کے خط میں لکھتے ہیں:

''حضرت بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کی اردو نظم و نثر کے متعلق مجھے شبہ ہے اور جب ''معراج العاشقین'' کا نام چھپا تو میں نے اس پر کبھی یقین نہیں کیا، میرا خیال ہے کہ ان کے کسی عقیدت مند نے ان کی گفتگو یا فارسی رسالے کو اردو میں منتقل کیا ہے مگر یہ محض شبہ ہے اور چوں کہ مولوی عبدالحق اس کو مان چکے تھے اس لیے اس کے خلاف کچھ کہنے یا لکھنے کے لیے باضابطہ ثبوت اور دلائل کی ضرورت ہے جو اب تک نہ مل سکے۔ یہی حال ''شکارنامہ''، ''تلاوت الوجود'' اور ''دارالاسرار'' کا ہوگا اور جن تین رسائل کا آپ نے سراغ لگایا ہے ان کا شمار ایسے ہی منسوبہ رسائل میں کروں گا۔ مگر میرے ذاتی شبہ کی بنا پر آپ اپنا کام ملتوی نہ فرمائیں۔ یہ بجائے خود ایک اہم اور ضروری کام ہے اور اس سے اردو کی قدیم ترین نظم و نثر میں اضافہ ہوگا۔''[۳]

ڈاکٹر زورؔ نے اردو زبان کی ترقی و ترویج کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں وہ ان کی علمی و تحقیقی سرگرمیوں سے عیاں ہیں۔ ادارۂ ادبیاتِ اردو کا قیام ایک بڑا کارنامہ ہے۔ ان خطوط کے مطالعے سے یہ جان کر خوش گوار احساس ہوتا ہے کہ ۱۹۵۹ء میں سندھ کے شہر لاڑکانہ کی تحصیل نصیر آباد میں رہنے والے بھگوان داس نے وہاں ادارۂ ادبیاتِ اردو کی ایک شاخ قائم کی تھی اور اندرونِ سندھ اردو کے فروغ کے لیے کام کر رہے تھے۔ ڈاکٹر زورؔ ۲۰ر جنوری ۱۹۵۹ء کو اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے وہاں ادارۂ ادبیاتِ اردو قائم کیا ہے اور اردو کی خدمت کے لیے عمدہ کوشش کر رہے ہیں، اس وقت جو لسانی تعصبات بڑھتے جا رہے ہیں ان کے پیشِ نظر آپ کی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔''[۴]

۲۱ر اگست ۱۹۵۹ء کو ایک خط میں بھگوان داس صاحب کو لکھتے ہیں:

''یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ کے ادارے کی جانب سے درس گاہِ اقبال کا بھی قیام عمل میں آیا ہے۔''[۵]

۸ر ستمبر ۱۹۶۱ء کو ایک اور مکتوب میں انھیں لکھتے ہیں:

''دوسرے خط میں آپ نے ''عبدالحق اورینٹل کالج'' کے قیام کی خوش خبری سنائی ہے۔ یہ بڑا اچھا خیال ہے اور اس کے تحت پنجاب، سندھ اور اداروں کے امتحانات کے لیے تعلیم کا خیال بہت مناسب ہے، اسی طرح وہاں عورتوں اور مردوں میں اردو ادب کا ذوق ترقی کرے گا اور یہ اردو زبان کی ایسی خدمت ہے جس کی وجہ سے آپ کی خدمت اور مساعی ہمیشہ زندہ رہیں گے۔''[۶]

درج بالا اقتباسات قیامِ پاکستان کے محض چھے سال بعد سندھ کے دور دراز مقام پر اردو زبان وادب کے فروغ کے لیے کی جانے والی کاوشوں کو منظرِ عام لانے کا باعث ہیں اور اس حوالے سے تحقیق کے نئے در وا کرتے ہیں۔ یہ بھگوان داس صاحب ۱۹۵۹ء میں تو معروف نہ تھے لیکن اب جسٹس (ر) رانا بھگوان داس کے نام سے ملک کی مشہور و معروف شخصیت ہیں۔

خواجہ حمید الدین شاہد نے ڈاکٹر زور کے خطوط کی دوسری قسط میں ۲۰ خطوط ستمبر ۱۹۸۰ء کے شمارے میں پیش کیے یہ خطوط شاہد صاحب کے نام ہیں۔ ان کا دورانیہ ۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۰ء ہے اور جو نومبر ۱۹۸۱ء کے شمارے میں شائع کیے گئے۔ ان خطوط کا دورانیہ ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء ہے۔ جب کہ اس سلسلے کی چوتھی قسط ۶ خطوط پر مشتمل ہے جو کہ فروری ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔ خواجہ صاحب نے ان تمام خطوط پر حواشی و تعلیقات تحریر کیے ہیں جو اُن کی علمی و ادبی قدر و قیمت میں اضافے کا باعث ہیں۔

ماہ نامہ ''سب رس'' میں مشاہیر کے خطوط کا دوسرا بڑا ذخیرہ ''معاصرین کے خطوط بنام شاہد'' کے عنوان سے قسط وار سلسلے کی صورت میں ملتا ہے۔ جولائی ۱۹۸۰ء میں پروفیسر ہارون خان شروانی کے ۱۹ خطوط شائع کیے گئے۔ پروفیسر ہارون شروانی کے ان خطوط میں سر راس مسعود کے ساتھ ان کے تعلقات کی تفصیل ملتی ہے۔ سر راس مسعود کی شخصیت اور ان کے افکار و نظریات کی اہمیت کے حوالے سے پروفیسر شروانی ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''مسعود کی شخصیت بڑی اہم شخصیت تھی۔ لیکن ہم بہت جلد اپنے محسنوں کو بھول جاتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جو کما حقہ سر سید اور سید محمود سے بھی واقف ہیں۔ نام جپنا ایک چیز ہے اور جانے والوں کے افکار سے کام لینا دوسری چیز۔''[۷]

شروانی صاحب کے خطوط کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کے پاس سر راس مسعود کے خطوط کا بڑا ذخیرہ موجود تھا یہ مکتوبات انگریزی اور فرانسیسی زبان میں تھے، مشہور انگریز مصنف فوسٹر اور راس مسعود کے درمیان لکھے گئے خطوط بھی ان میں شامل تھے جن میں "A Passage to India" کی تصنیف اور ہندوستان سے متعلق دیگر امور میں فوسٹر کی دل چسپی کی تفصیلات مندرج ہیں۔

نومبر ۱۹۸۰ء کے شمارے میں سلام مچھلی شہری کے خطوط بنام خواجہ حمید الدین شاہد پیش کیے گئے۔ سلام مچھلی شہری کے یہ خطوط ان کے مزاج، ان کی نجی زندگی کے معاملات اور ان کی ذہنی و قلبی کیفیت کے متعدد پہلو سامنے لاتے ہیں۔ ۱۷ مارچ ۱۹۴۱ء کے تحریر کردہ خط میں وہ کہتے ہیں:

> ''ایک بات اور یہی کہ آپ کو میری زندگی معلوم ہے یا نہیں — خیر آہستہ آہستہ! فی الحال ایک اجازت چاہتا ہوں میں اخلاقی قصور اور غیر مہذب غلطی کیا کرتا ہوں — مطلب یہ کہ میں نظمیں اور خطوط بیرنگ بھیجنے کی اجازت چاہتا ہوں، آپ اس کی وجہ جو بھی چاہیں خیال فرمائیں لیکن اچھا ہوتا اگر آپ اس کی اصل جان جاتے! میرا خیال ہے کہ آپ نہ صرف اس کی اجازت دیں گے بلکہ مجھ سے ہمدردی کریں گے۔''[۸]

۱۷ ستمبر ۱۹۴۱ء کو ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

> ''ہاں! ایک ضروری بات کے لیے خط لکھ رہا ہوں، ابھی تک ''سب رس'' میں میری جتنی نظمیں شائع

ہوئی ہیں، میں ان کا معاوضہ چاہتا ہوں بلکہ اس کے لیے آرزو کرتا ہوں — آپ سے کیا پردہ مجھ کو پیسوں کی سخت ضرورت ہے، ہوسکے تو ان نظموں کا معاوضہ یا اپنی طرف سے کچھ بھیج دیجیے — سامراجی ہندوستان کا ایک نوجوان شاعر ہوں — شاعر، بیکار، کاہل، بے شرم بھکاری!!! ''خوددار شاعر'' نہ جانے کس ڈکشنری کا لفظ ہے! اُف! نہ جانے کس موڈ میں ہوں — ہاں مجھے تو پیسوں کی ضرورت ہے کیا آپ کچھ مدد کریں گے؟ بہ واپسی ڈاک جواب دیجیے۔ عاجزی سے کیوں مانگوں؟ میں شاعر ہوں۔ آرٹسٹ۔ ہندوستان کا نوجوان آرٹسٹ!!!

''سب رس'' کے منیجر صاحب سے کہیے۔ اب میں نے آرٹ کی تجارت شروع کردی ہے۔ اب انھیں میری نظمیں خریدنی پڑیں گی۔ میں پیسہ چاہتا ہوں پیسہ — بس۔ میں بھوکوں مرنا نہیں چاہتا۔ ۲۲ برس میں مرجانا کہاں کی حماقت ہے میں زندہ رہوں گا۔ جواب نہیں، روپیوں کا شدید انتظار ہے۔''۹

معاصرین کے خطوط بنام شاہد کا سلسلہ ایک وقفے کے بعد دسمبر ۱۹۸۹ء میں دوبارہ شروع ہوتا ہے۔ اس مرتبہ جگن ناتھ آزاد کے ۱۵ خطوط شائع ہوتے ہیں۔ ۱۹۹۰ء میں آزاد کے ۲۲ خطوط، مارچ تا مئی ۱۹۹۰ء میں ۳۴ خطوط، نومبر ۱۹۹۰ء میں ۲۹ خطوط، دسمبر ۱۹۹۰ء میں ۸ خطوط شائع ہوئے۔ یوں جگن ناتھ آزاد کے خواجہ حمیدالدین شاہد کے نام ۵ اقساط میں ۱۰۸ خطوط شاہد صاحب کے تحریر کردہ حواشی وتعلیقات کے ساتھ پیش کیے گئے۔ یہ مکتوبات جگن ناتھ آزاد کی شخصیت، ان کی علمی وادبی سرگرمیوں اور ہم عصر ادیبوں، شاعروں سے متعلق ان کی آرا سے آگاہی فراہم کرتے ہیں:

''کانفرنس سے متعلق کیا کہوں، مجھے انتظامیہ کمیٹی کا یہ اندازِ نظر کچھ پسند نہیں آیا۔ انھوں نے ۱۸۰ روپے منظور کیے، جب کہ کرایہ محض کرایہ ۱۷۰ روپے ہے، گویا وہ مجھے اخراجات کے طور پر ۱۰ روپے دے رہے تھے، آپ نے ۱۰ کے بدلے ۳۰ روپے کرادیے۔ آپ کا ممنون ہوں لیکن تیس میں سفر ممکن نہیں۔ غالباً انتظامیہ کمیٹی شاعر کو پارسل سمجھتی ہے کہ یہاں سے اسے ریل میں دھکیل دیا جائے گا اور حیدرآباد میں چھڑا دیا جائے گا، اگر انسان سمجھتی تو اتنی عزت افزائی نہ کرتی۔''۱۰

۲۶/مارچ ۱۹۵۵ء کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''پچھلے دنوں میری طبیعت بہت پریشان رہی میں نے آپ کو ایک بہت طویل خط لکھا لیکن اس خیال سے ڈاک کے سپرد نہ کیا کہ آپ کو کیوں پریشان کروں، پھاڑ دیا۔ ان دنوں یہاں دوستوں کی دوستی سے طبیعت بہت مکدّر ہورہی ہے۔ ایک شعر سنیے:

اپنوں کی دوستی تو مسلسل فریب تھی
غیروں کی دشمنی کے سہارو! کہاں ہو تم''۱۱

جنوری ۱۹۹۱ء میں ''معاصرین کے خطوط بنام شاہد'' کے تحت ۴ ادیبوں کے مکتوبات پیش کیے گئے، ان میں آغا شاعر قزلباش، پروفیسر آفاق صدیقی اور آمنہ نازلی کے خطوط ماہ نامہ ''سب رس'' کے حوالے سے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی کے خطوط کا دورانیہ ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۶ء ہے۔ خواجہ حمیدالدین شاہد اس وقت حیدرآباد دکن سے شائع ہونے والے ''سب رس'' کی مجلسِ

ادارت کے رکن تھے۔ یہ خط وکتابت اس دور میں احمد ندیم قاسمی کے مصروفیاتِ زندگی، ادبی تخلیقات اور ہم عصر ادیبوں سے تعلقات کے حوالے سے آگاہی فراہم کرتی ہے۔

فروری ۱۹۹۱ء میں اسی سلسلے کے تحت احمد ندیم قاسمی کے مزید ۱۳ خط پیش کیے گئے۔ ان خطوط کا دورانیہ ۱۹۶۰ء تا ۱۹۹۵ء تک کا ہے۔ ۱۲ جولائی ۱۹۶۰ء کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''ان دنوں کوئی مستقل شغل نہیں۔ ۵۴ء سے ۵۹ء تک روزنامہ ''امروز'' کا ایڈیٹر رہا۔ گذشتہ سال اپریل میں اس سے الگ ہوا اور جب سے جو کام ملتا ہے کر لیتا ہوں۔ ان دنوں کوئی کام نہیں اس لیے کچھ بھی نہیں کر رہا ہوں۔ شعر و افسانہ کا سلسلہ البتہ جاری ہے اور میرے لیے بہت کچھ، بلکہ سب کچھ ہے۔''[۱۲]

مارچ ۱۹۹۱ء میں معاصرین کے خطوط کے سلسلے میں ڈاکٹر ابوالحسن صدیقی کے ۲ خط، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا ایک خط اور ڈاکٹر محمد علی اثر کے ۳ خط پیش کیے گئے۔ اپریل ۱۹۹۱ء کے شمارے میں ڈاکٹر محمد علی اثر کے مزید ۴ خط ابن حسن برنی کے ۳ خط اور ڈاکٹر ابنِ فرید کے ۹ خطوط شائع کیے گئے۔ مئی ۱۹۹۱ء میں ڈاکٹر ابنِ فرید کے مزید ۱۰ خط ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری کے ۲ خط، احسان دانش کے ۹ خط اور اکبرالدین صدیقی کے ۵ خط شائع کیے گئے۔ یہ خطوط، ماہ نامہ ''سب رس'' کے مشمولات پر رائے اور ان شخصیات کی علمی و ادبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سوانحی معلومات بھی فراہم کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ابنِ فرید ۱۵ جون ۱۹۸۸ء کو اپنے مکتوب میں جدہ سے لکھتے ہیں:

''ہر برنامج وتقریب کی مخالفت کچھ نہ کچھ لوگ تو کرتے ہی ہیں۔ یہ فطری عمل ہے۔ اس سے متاثر ہونے کی کیا ضرورت ہے، اگر یہ ردِ عمل نہ ہو تو کام میں انہماک پیدا نہ ہو۔ اصغر گونڈوی کا مندرجہ ذیل شعر اکثر میری زبان پر آجاتا ہے:

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہوجائے

آپ نے میری تعریف جس انداز سے کی ہے وہ میری اہلیت و مقام سے بہت زیادہ ہے۔ میں تو ایک عام آدمی ہوں۔ جلسوں میں پچھلی صفوں میں بیٹھا ہوں۔ نہ میں نے ادب میں کوئی مقام بنایا ہے اور نہ اس کا آرزومند ہوں۔ اسی وجہ سے آپ کے تعریفی کلمات کا شکریہ بھی ادا کرنے سے قاصر ہوں کہ مبادا اس حرکت سے تعلّی کا چور چغلی کھائے گا۔ آپ نے مخالفین اور بدخواہوں کا ذکر کیا ہے یہ کون ہیں؟ کہاں بستے ہیں؟ ایک بار پھر ایک شعر مجھ سے کچھ یوں سرزد ہوگیا تھا:

محسنوں نے کون سا بخشا مجھے تنہا سمجھ کر
دوستو تم کو بھی سوجھی بے اماں کی آزمائش'' [۱۳]

رام پور سے ۱۳ راگست ۱۹۸۹ء کے خط میں، شبلی پر اور اپنے مقالے پر ڈاکٹر ہاشم کی تنقید کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس مقالے میں انھوں نے شبلی پر میرے مضمون کا بھی حوالہ دیا ہے۔ البتہ حواشی میں اس کا عنوان

انھوں نے غلط درج کیا ہے۔ اصلی عنوان ''شبلی چوں بہ خلوت می رود'' ہے۔ ''شبلی چو در خلوت می آید'' نہیں! میرے مضمون کے بارے میں انھوں نے جس رائے کا اظہار کیا ہے اس پر تعریض کا مجھے حق نہیں ہے میں اُن کی رائے کا احترام کرتا ہوں۔

میری فریاد صرف ان کے طرزِ استدلال کے خلاف ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور اور پروفیسر خورشید الاسلام کے مقالات میرے مضمون سے پندرہ بیس سال پہلے لکھے گئے ہیں۔ اس لیے ان سے مستقبل کے لیے استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے؟ مزید براں ان دونوں حضرات نے شبلی کی حیاتِ معاشقہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ڈاکٹر وحید قریشی اور شیخ محمد اکرام مرحوم نے اپنا موقف میرے مضمون کے شائع ہونے کے بعد بدل دیا تھا لیکن دل چسپ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر سید محمد ہاشم نے ''مدعیوں'' کو چھوڑ کر ''گواہوں'' کو سامنے کھڑا کر دیا ہے اور گزرے ہوئے کل کی بات سے آنے والے کل کی بات کی تردید کر دی ہے۔''[۱۴]

جولائی ۱۹۹۱ء کے شمارے میں معاصرین کے خطوط کے سلسلے میں ڈاکٹر احسان رشید صدیقی کا ایک خط، محمد احسن خان کے ۳ خط، احمد رئیس کے ۳ خط، احمد ظفر کے ۲ خط منتخب ہو کر شائع ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء کے شمارے میں اختر حسن کا ایک خط اختر علی اختر کے ۴ خط شائع ہوئے۔ نومبر ۱۹۹۱ء کے شمارے میں اریب سلمان کا ۴ خط اور اسد اللہ اور اسمٰعیل ذبیح محمد کا ایک ایک خط شائع ہوا۔

جنوری ۱۹۹۲ء میں پروفیسر اشرف حسینی کے ۲ خط، اشرف صبوحی دہلوی کے ۳ خط، افتخار عارف کا ایک خط، اقبال احمد صدیقی کے ۴ خط شائع ہوئے۔ ان شخصیات کے خطوط میں سے یہاں صرف اشرف صبوحی کے خطوط سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ خواجہ حمید الدین شاہد اور اشرف صبوحی کے درمیان یہ خط و کتابت اس دور کی ہے جب شاہد صاحب ترقی اردو بورڈ کراچی سے منسلک تھے۔

> ''دلی میں بڑے بوڑھوں کی زبانی میں نے ''کھٹ بڑھی'' پرندے کو 'کڑونتی'' کہتے سنا ہے، اس خیال سے کہ میں جہاں بوڑھوں اور بوڑھیوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ و محاورات کو اپنی تحریروں میں محفوظ کر رہا ہوں وہاں میں نے کڑونتی کو بھی ''پریوں کی ہنڈیا'' والی کہانی میں قلم بند کر دیا۔ یہ چھوٹی سی کہانی کی کتاب جو خود میرے کتب خانے سے شائع ہوئی تھی تلاش کے باوجود اس کا ایک نسخہ بھی نہیں ملا..... آپ نے جو لفظ ''کچلی'' دریافت فرمایا ہے، وہ ''کچلی'' ہے ل پر مرکز نہیں پیش ہے۔ کچلی کا ماخذ لوچ ہے یہاں لوچ دار اور سلیف کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ یہ لفظ دلی والوں کی روزمرہ میں داخل تھا۔''[۱۵]

فروری ۱۹۹۲ء میں اقبال احمد صدیقی کے مزید ۵ خط، اور اقبال عظیم سید کے ۳ خط شائع ہوئے۔

مارچ ۱۹۹۲ء کے شمارے میں اقبال متین کے ۵ خط، پروفیسر اکبر الدین صدیقی کے ۳ خط شامل اشاعت ہوئے۔

اپریل ۱۹۹۲ء میں پروفیسر اکبر الدین صدیقی کے مزید ۸ خطوط شائع ہوئے۔ مئی ۱۹۹۲ء کے شمارے میں اکبر حیدر آبادی کے

۵ خطوط اور پروفیسر اکبر رحمانی کے ۵ خطوط شائع ہوئے۔ پروفیسر اکبر رحمانی صاحب اور خواجہ حمید الدین شاہد کے درمیان اس خط وکتابت کا پس منظر ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ اور علامہ اقبال کے درمیان خطوط نگاری کی تحقیق تھا۔ سید عبدالواحد معینی اور ڈاکٹر دین محمد تاثیر نے لمعہ بنام اقبال کے خطوط کو جعلی قرار دیا تھا۔ پروفیسر اکبر رحمانی نے اس کی تردید میں ایک کتاب ''تحقیقات وتاثرات'' شائع کی۔

۳۱ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو خط میں تحریر کرتے ہیں کہ:

''ان دنوں ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدرآبادی پر تحقیقی کام کررہا ہوں۔ لمعہ صاحب حیدرآباد کی وہ واحد شخصیت ہیں جن کے بیک وقت اقبال اور ٹیگور سے تعلقات تھے اور دونوں لمعہ صاحب کو چاہتے تھے اور ان کے کلام کو پسند فرماتے تھے۔ لیکن لمعہ صاحب کو شہرت اور نام ونمود سے بے نیاز ہونے کی وجہ سے اور ادبی حلقوں میں غیر معروف ہونے کے سبب انھیں یکسر نظر انداز کیا گیا۔ اقبالیات کے اس اہم گوشے پر کسی نے توجہ نہیں دی، بلکہ اقبال نے ان کے نام جو خطوط لکھے ہیں، انھی پر شک وشبہ کا اظہار کیا گیا ہے۔'' [۶]

۳ر مارچ ۱۹۸۷ء کو ایک اور خط میں وہ اپنی اس تحقیق کا احوال بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میں نے لمعہ حیدرآبادی کا وہ کلام دستیاب کرلیا ہے۔ جسے خود علامہ اقبال نے دیکھا تھا، اس پر جو اصلاحیں دی تھیں اور دیوان کا نام تجویز کیا تھا..... مجھے یہ سب دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ شاید ہی کوئی لمعہ جیسا شہرت اور نام ونمود سے اتنا بے نیاز ہوگا۔ تونڈا پور (جہاں لمعہ آکر رہا کرتے تھے) کے بعض لوگوں نے بتایا کہ ٹیگور کے چند خطوط کو انھوں نے پنساری کی دکان پر ردی میں دیکھا— انھوں نے کبھی اپنے آپ کو اقبال اور ٹیگور کے شاگرد کی حیثیت سے متعارف نہیں کرایا۔'' [۷]

جون ۱۹۹۳ء کے شمارے میں اکبر علی خاں عرشی زادہ کے ۵ خطوط شائع کیے گئے۔ ان خطوط کا دورانیہ ۱۹۶۴ء تا ۱۹۸۴ء ہے۔ اکبر علی خاں اپنے والد گرامی مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے مقالات کی جمع آوری کے سلسلے میں خواجہ حمید الدین شاہد کو خطوط تحریر کرتے رہے ہیں۔ معاصرین کے خطوط کا یہ سلسلہ یہاں ختم ہوتا ہے۔ خواجہ حمید الدین شاہد نے معاصرین کے ان تمام خطوط پر حواشی وتعلیقات تحریر کیے ہیں۔

ماہ نامہ ''سب رس'' میں مشاہیر کے خطوط دوسرا بڑا سلسلہ ''انشائے بے بدل'' کی صورت میں ملتا ہے۔ معروف نقاد جلیل قدوائی نے اپنے نام مشاہیر کے خطوط کو حواشی وتعلیقات کے ساتھ جولائی ۱۹۸۰ء کے شمارے سے پیش کرنا شروع کیا۔ جلیل قدوائی نے پروفیسر ہارون خان شروانی، امتیاز علی خاں عرشی، عبدالجلیل مائل نقوی، نیاز فتح پوری، رشید احمد صدیقی، وحشت کلکتوی، سید مسعود حسن رضوی، فراق گورکھپوری، ڈاکٹر سید اعجاز حسین مخمور اکبرآبادی کے خطوط جون ۱۹۸۰ء تا جولائی ۱۹۸۷ء کے شماروں میں پیش کیے۔

''آسودگانِ دکن کے خطوط بنام وفا راشدی'' طارق راشدی نے ترتیب دیے جو اکتوبر ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئے۔ اس میں ڈاکٹر محی الدین قادری زور، تمکین کاظمی اور نصیر الدین ہاشمی کے ۴۰ خط شامل ہیں۔ ان خطوط کا دورانیہ ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۶ء

ہے۔وفاراشدی کی تصنیف ''بنگال میں اردو'' پران خطوط میں آراء اورتجاویز ملتی ہیں۔

تمکین کاظمی ''بنگال میں اردو'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''بیشتر لوگوں کے پورے حالات نہیں مل سکے۔کم از کم سنہ ولادت اور وفات تو ضرور ہونا چاہیے تھا۔ چناں چہ نساخ کے متعلق میں نے غور کیا ہے۔اس طرح واجد علی شاہ کے بیشتر مصاحبین چھوٹ گئے ہیں اور شاگردانِ داغ بھی نہیں آسکے جو کلکتے میں تھے۔''[۱۸]

۱۷رفروری ۱۹۵۷ء کو تمکین کاظمی لکھتے ہیں:

''جانِ عالم'' مولانا شرر کی ایک کتاب ادارۂ فروغِ اردو، لاہور سے مل سکتی ہے۔منگوا لیجیے، فورٹ ولیم کالج کی مطبوعات دیکھ لیجیے۔ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی مطبوعات دیکھ لیجیے۔یہ مستقل خدمت ہے اردو کی جو کلکتہ نے کی ہے۔سب سے پہلا اردو اخبار کلکتہ ہی سے نکلا ہے۔سب سے پہلی اردو کتاب کلکتہ ہی سے چھپی ہے۔سب سے پہلا ٹائپ پریس کلکتہ ہی میں قائم ہوا ہے۔اسی طرح بنگال نے اردو کی بڑی خدمت کی ہے۔بنگال کے اردو رسائل و اخبارات بھی جمع کیجیے آپ کو کلکتہ یونی ورسٹی لائبریری سے بہت مدد ملے گی۔''[۱۹]

اردو کے ادبی رسائل میں خطوط کی اشاعت کا ایک سلسلہ ''قارئین کے خطوط'' کی صورت نظر آتا ہے۔ماہ نامہ ''سب رس'' نے بھی قارئین کے خطوط کو ''بزمِ سب رس'' کے عنوان سے پیش کیا ہے۔اوسطاً ۶ خط ایک شمارے میں شامل کیے جاتے تھے۔کسی بھی رسالے کے دیگر مشمولات کی طرح قارئین کے خطوط کا انتخاب بھی مدیر کے فرائض میں شامل ہوتا ہے۔لہٰذا ان خطوط کے مطالعے سے رسالے کے معیار اور مدیر کے مزاج کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

''بزمِ سب رس'' میں اردو ادب کے صف اول کے مصنفین، محققین، نقاد اور شاعروں کے علاوہ عام قارئین کے خطوط بھی نظر آتے ہیں۔

فروری ۱۹۹۸ء کے شمارے میں ڈاکٹر انصاراللہ نظر کا مضمون ''بیاضِ غالب کی بحث'' شائع ہوا۔جس میں غالب نامہ عرشی میں شامل گیان چند جین کے بیاضِ غالب سے متعلق مضمون کو زیر بحث لایا گیا۔اس حوالے سے گیان چند نے مدیر ''سب رس'' کو خط لکھا:

''نسخہ غالب کی دریافت کے دور میں مولانا عرشی اور جناب مالک رام سب سے بڑے ماہر غالبیات تھے۔وہ دونوں اس نسخے کو غالب سے منسوب کرتے تھے۔غالب کے خطِ تحریر کے بارے میں مولانا عرشی سے بڑا ماہر اور کوئی نہ تھا۔میں نے ان علما کے فیصلے قبول کیے۔اس موضوع پر اس زمانے میں تفصیل سے بحث ہو چکی ہے اب میرے پاس مزید کہنے کو کچھ نہیں۔تحقیق میں سب کا ہم خیال ہونا ضروری نہیں۔معلوم نہیں انصاراللہ صاحب نے تقریباً ۲۷ سال بعد کیوں اس بحث کو اُٹھایا جس کے بارے میں وہ یا میں کوئی نئی دلیل نہیں لا سکتے۔ان کے مضمون میں نئی بات ہے تو میرے لیے ان کا لہجہ ہے جو سابق میں ہمیشہ احترام کا ہوتا تھا، اب جارحانہ ہے۔''[۲۰]

حمایت علی شاعر فروری ۱۹۹۱ء کے شمارے میں فضل احمد غؔر صاحب پر پیر گوہر کے مضمون کے حوالے سے خط میں لکھتے ہیں کہ:

''[فارغ] بخاری نے ان کا سنہ ولادت ۱۸۶۷ء لکھا ہے اور پیر گوہر نے ۱۸۸۷ء۔ بیس سال کا فرق بہت ہوتا ہے، تحقیق ضروری ہے۔ [فارغ] بخاری کے اندازِ تحریر میں قدرے تضحیک کا پہلو ہے۔ بالخصوص ان قصائد کے حوالے سے جو غؔر صاحب نے والیٔ دکن، والیٔ چترال، والیٔ دیر، والیٔ سوات کے علاوہ پاکستان کے بڑے عہدے داروں کے لیے لکھے تھے۔ میرا خیال ہے کہ فارغ بخاری نے کچھ زیادتی سے کام لیا ہے۔ ہر شخصیت کو اس کے عہد کی روایت کی روشنی میں دیکھنا چاہیے ورنہ سوداؔ سے لے کر علامہ اقبالؔ اور حفیظ جالندھری تک سبھی اس تضحیک کی زد میں آجائیں گے وہ پختون ہوتے ہوئے بھی اردو کے صفِ اوّل کے شاعر تھے۔''[۲۱]

بزمِ سب رس میں حمایت علی شاعر کے اس خط کے شائع ہونے کے بعد یہ سلسلہ آگے بڑھا اور اگلے شمارے میں سوات سے پروش شاہین نے خط لکھا:

''حمایت علی شاعر کی تحریر جو انھوں نے فضل احمد غؔر کے بارے میں لکھی بہت زیادہ پسند آئی۔ کیوں کہ انھوں نے مرحوم کی زندگی کے بارے میں ایک اچھا تاثر پیش کیا ہے۔ جو لوگ فضل احمد غؔر صاحب کی ابتدائی زندگی اور پھر آخری زندگی سے واقف ہیں، ان کو معلوم ہے کہ فضل احمد غؔر کی پوزیشن کیا تھی... ان کا کچھ کلام یا تحریریں انگریزی زبان میں ہیں۔ ہم اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں ملتا نہیں۔ علامہ اقبال کی پختون شناسی میں فضل غؔر کا بڑا حصہ ہے۔''[۲۲]

اس بحث کا اختتام فضل احمد غؔر صاحب پر مضمون کے مصنف پیر گوہر شاعر امن نے ایک مفصل خط لکھ کر کیا:

''شاعر حضرات کی آگاہی کے لیے عرض ہے کہ ''غرہ گلونہ'' ''پہاڑی پھول'' کا جو نسخہ اس نے مجھے دیا تھا۔ اس میں انھوں نے خود اپنی قلم سے تاریخ پیدائش صحیح کیا تھا۔ یعنی ۱۸۹۹ء کے بجائے ۱۸۸۷ء لکھا تھا اور حیدرآباد جانے کا سن ۱۹۲۶ء کے بجائے ۱۹۰۷ء لکھا تھا۔ امید ہے حمایت علی شاعر صاحب نوٹ کرلیں گے۔''[۲۳]

اردو ادبی رسائل کی فائلز کا مطالعہ کرنے والے محققین اس بات سے واقف ہیں کہ اکثر رسائل پر کہیں شمارہ نمبر نہیں ہوتا تو کہیں مہینہ، جس کی بنیادی وجہ مالی مشکلات کے باعث ان پرچوں کی اشاعت میں عدمِ تسلسل ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین ''بزمِ سب رس'' میں ایک خط کے ذریعے توجہ دلاتے ہیں کہ:

''سب رس کل ملا۔ شکریہ، پرچے میں کہیں اندراج نہیں کہ یہ کس مہینے کا ہے۔ اس میں میرا مضمون، درودِ مسعود سے متعلق شائع ہوا ہے۔''[۲۴]

میر یٰسین علی خان کا خط فروری ۱۹۸۷ء کے شمارے میں بزمِ سب رس میں شائع ہوا۔ یہ خط مرزا داغ دہلوی کے ایک خط کی اشاعت کے حوالے سے اہم معلومات پیش کرتا ہے:

''ماہِ نو'' جلد ۴۰، شمارہ ۱، میں ڈاکٹر نثار احمد قریشی، داغؔ دہلوی کا ایک غیر مطبوعہ خط شائع ہوا ہے۔ یہ

خط دراصل داغؔ کے بھتیجے اُمراؤ مرزا تاباںؔ کا ہے جو انھوں نے شفاخانۂ افضل گنج حیدرآباد دکن سے میرے دادا نواب میر حسن علی خاں امیرؔ شاگرد رفیق داغؔ کو داغؔ کے انتقال کے کافی عرصے بعد لکھا تھا۔ یہ خط میرے پاس تھا جو میں نے محمد طفیل صاحب مرحوم کو ''نقوش'' کے خطوط نمبر میں اشاعت کے لیے اور دوسرے خطوں کے ساتھ بھیجا تھا... ''ماہِ نو'' کے سرورق کی پشت پر یہ خط چھپا ہے اور اس کے آخر میں لفظ ''تاباں'' پڑھا جاسکتا ہے۔'' ۲۵

پروفیسر شفقت رضوی صاحب کے ایک مضمون میں تصحیح کے لیے محمد احمد سبزواری کا ایک خط فروری ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا، وہ لکھتے ہیں:

''پروفیسر شفقت رضوی جس محنت اور تحقیق سے اسلامی عقیدہ پیش کررہے ہیں وہ لائق ستائش اور قابلِ مبارکباد ہے، اس سلسلے میں ان کی توجہ ایک فروگزاشت کی طرف منعطف کرانا ضروری ہے۔ انھوں نے جان ہیپٹسٹ نفیس بھوپالی کو بھی اسی زمرے میں شامل کرلیا ہے جو صحیح نہیں۔... نفیس ۱۸۶۷ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم و تربیت نواب شاہجہاں بیگم کے محل پر [کذا۔ میں] ہوئی۔ چوبیس پچیس سال کی عمر میں یہ مسلمان ہوگئے اور محمد سلیمان عرف اچھے صاحب کے نام سے مشہور ہوئے۔ میں نے انھیں دیکھا ہے، بڑے گورے چٹے تھے... نفیس صاحب کی مادری زبان اردو بن چکی تھی، یہ ترکی اور فارسی میں بھی بڑی روانی سے گفتگو کرسکتے تھے۔ فرانسیسی سمجھ لیتے تھے، مگر انگریزی اور پرتگیزی بھی جانتے تھے... یہ امیر مینائی کے شاگرد تھے... لہٰذا نفیس کو غیر مسلموں میں شریک کرنا ان کی روح پر ایک ظلم ہے۔'' ۲۶

راشد اسدی کا مضمون سخنورانِ جے پور قسط وار ماہ نامہ ''سب رس'' میں شامل ہوا۔ اکتوبر ۱۹۸۵ء میں اس مضمون کی نویں قسط کے حوالے سے جناب مالک رام صاحب نے دہلی سے ایک خط لکھا جو کہ بزمِ سب رس میں شائع ہوا، وہ لکھتے ہیں:

''عابدؔ عرف نواب کلن کے تحت لکھا ہے۔ 'تلمذ' [غالب]۔ مالک رام نے اپنے تذکرۂ تلامذہ غالبؔ (طبع اوّل) میں انھیں غالب کا شاگرد بتایا ہے۔ جب کہ بعض حضرات نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔ جناب عروجؔ نے بھی اپنی کتاب ''بزمِ غالب'' میں اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، ''تلامذۂ غالب'' (طبع اول) میں عابدؔ کا ذکر ہی نہیں، 'تلمذ غالب' کا کیا ذکر! (طبع دوم میں بھی ان کا نام شامل نہیں) جناب عروجؔ نے بھی اپنی کتاب میں کہیں اختلاف نہیں کیا، انھوں نے عابدؔ کے ترجمے میں نہ مالک رام کا ذکر کیا ہے نہ اس کی کسی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ کر بھی کیسے سکتے تھے، جب ''تلامذۂ غالب'' میں ان کے حالات ہیں ہی نہیں۔ خدا معلوم، جناب راشد اسدی جے پوری نے یہ کیوں کر لکھ دیا۔'' ۲۷

اکتوبر ۱۹۸۲ء میں ڈاکٹر ابنِ فرید کے مضمون ''نثری نظم کا قضیہ'' شائع ہوا۔ اس مضمون پر جابر علی سید صاحب کا خط بنام مدیر ''سب رس'' نومبر ۱۹۸۳ء شائع ہوا۔ اس خط میں انھوں نے ڈاکٹر

ابنِ فرید سے چند امور پر اختلاف کرتے ہوئے اپنی آرا کو مدلل انداز میں بیان کیا ہے۔۲۸
ڈاکٹر ابنِ فرید نے جابر علی سید کے اس موضوع پر اُٹھائے جانے والے سوالات اور رائے کا جواب دیا جو کہ فروری ۱۹۸۴ء کے شمارے میں شائع ہوا۔۲۹
اگست ۱۹۸۱ء کے شمارے میں بزم سب رس میں مالک رام صاحب کے دو خط شائع ہوئے۔ وہ 'تذکرۂ معاصرین' کی ترتیب و تدوین، میں پیش آنے والی دشواری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''مجھے سب سے زیادہ دقت پاکستانی حضرات کے حالات جمع کرنے میں پیش آتی ہے احباب ہر طرح سے مدد کرتے ہیں، لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ کمی رہ جاتی ہے اور مجھے بار بار سوال کرتے شرم آتی ہے۔ اسی لیے دیکھیں گے کہ ہندوستانی حضرات کے حالات زیادہ تفصیلی ہیں۔''۳۰

''مجھے سب سے زیادہ دشواری پاکستان کے مرحوم اصحاب کے حالات جمع کرنے میں پیش آ رہی ہے، میرا خیال ہے کہ اس دور میں انتقال کرنے والوں کے حالات کہیں جمع نہیں ہو رہے ہیں۔ بعد کو تاریخِ ادب لکھنے والوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔''۳۱

بزمِ سب رس میں بیرون ملک سے ادیبوں، شاعروں کے خطوط بھی پیش کیے جاتے رہے۔ ڈاکٹر ضیاالدین شکیب، لندن، ڈاکٹر ثمینہ شوکت، عابد علی خاں، حیدرآباد دکن، جاوید عالم، کینیڈا، سوہن راہی، لندن، اکبر حیدرآبادی، آکسفورڈ، ڈاکٹر یحییٰ نشیط، ہندوستان کے خطوط بزمِ سب رس میں شامل ہوتے رہے ہیں۔ مختلف ملکوں سے ان حضرات کے خطوط سب رس میں پیش کی جانے والی نثری و شعری تخلیقات پر ان کے تنقیدی نظریات کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے کی جانے والی سرگرمیوں سے متعلق معلومات بھی فراہم کرتے ہیں۔

''بزمِ سب رس'' کے تحت شائع ہونے والے خطوط ماہ نامہ ''سب رس'' کے معیار کو بہتر بنانے میں معاون ثابت ہوئے ہیں اور ۲۵ سالہ اشاعتی عرصے میں جاری رہنے والے مختلف علمی و ادبی مباحث، رجحانات، تحریکات اور میلانات کی تفہیم و تشریح میں بھی مددگار رہیں۔ خواجہ حمید الدین شاہد نے ماہ نامہ ''سب رس'' میں مشاہیر کے خطوط جس اہتمام کے ساتھ اور تسلسل شائع کیے ہیں وہ دنیائے علم و ادب میں رسالے کی نمایاں شناخت بنے۔ بلاشبہ مشاہیر کے یہ خطوط ناقدین اور محققینِ ادب کے لیے تحقیق و تنقید کے اہم مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، اسلام آباد، اکادمی ادبیاتِ پاکستان، ۱۹۹۲ء، ص ۱۲۶۔
۲۔ نجم السحر، خواجہ حمید الدین شاہد، فن اور شخصیت (غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔فل)، جامعہ عثمانیہ، ۱۹۹۲ء، ص ۲۷۔
۳۔ سب رس (ماہ نامہ)، کراچی، جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۲۳۲۔
۴۔ ایضاً، ص ۲۳۵۔
۵۔ ایضاً، ص ۲۳۵۔

۶۔ ایضاً،ص ۲۳۷۔
۷۔ ایضاً، جولائی ۱۹۸۰ء، ص ۳۰۔
۸۔ ایضاً، نومبر ۱۹۸۰ء، ص ۱۴۔
۹۔ ایضاً، ص ۱۵۔
۱۰۔ جگن ناتھ آزاد بنام حمید الدین شاہد، محررہ ۲۴ مارچ ۱۹۵۴ء، سب رس (ماہ نامہ)، کراچی، فروری ۱۹۹۵ء، ص ۳۱۔
۱۱۔ سب رس (ماہ نامہ)، کراچی، مارچ تا مئی ۱۹۹۰ء، ص ۳۴۔
۱۲۔ ایضاً، جنوری ۱۹۹۱ء، ص ۹۷۔
۱۳۔ ایضاً، اپریل ۱۹۹۱ء، ص ۱۱۹۔
۱۴۔ ایضاً، مئی ۱۹۹۱ء، ص ۱۲۲۔
۱۵۔ ایضاً، جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۱۵۱۔
۱۶۔ ایضاً، مئی ۱۹۹۲ء، ص ۱۸۱۔
۱۷۔ ایضاً، مئی ۱۹۹۱ء، ص ۱۸۲۔
۱۸۔ تمکین کاظمی بنام وفا راشدی، محررہ ۱۳ نومبر ۱۹۵۶ء، سب رس (ماہ نامہ) کراچی، اکتوبر ۱۹۸۱ء، ص ۱۸۔
۱۹۔ ایضاً، ص ۱۸۔
۲۰۔ سب رس (ماہ نامہ)، کراچی، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۷۔
۲۱۔ ایضاً، جون ۱۹۹۱ء، ص ۳۷۔
۲۲۔ ایضاً، جولائی ۱۹۹۱ء، ص ۳۸۔
۲۳۔ ایضاً، نومبر ۱۹۹۱ء، ص ۴۳۔
۲۴۔ ایضاً، ص ۳۴۔
۲۵۔ ایضاً، فروری ۱۹۸۷ء، ص ۵۶۔
۲۶۔ ایضاً، فروری ۱۹۸۶ء، ص ۴۶۔
۲۷۔ ایضاً، جنوری ۱۹۸۶ء، ص ۴۰۔
۲۸۔ ایضاً، نومبر ۱۹۸۳ء، ص ۶۲۔
۲۹۔ ایضاً، فروری ۱۹۸۴ء، ص ۸۔
۳۰۔ ایضاً، اگست ۱۹۸۱ء، ص ۱۵۔
۳۱۔ ایضاً، ص ۱۵۔